جماعت اسلامی کی انتخابی جدّوجہد

اس کے مقاصد اور طریقِ کار

جماعت اسلامی نے پنجاب کے آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کا جو فیصلہ کیا ہے اس میں تین متعین مقصد اُس کے پیشِ نظر ہیں :-

اول یہ کہ انتخاب کے غلط طریقوں کی اصلاح کی جائے اور اُن صحیح طریقوں کا عملاً مظاہرہ کیا جائے جو اسلام کے احکام اور اس کی اخلاقی روح کے مطابق ہیں۔

دوم یہ کہ بحالتِ موجودہ ہماری سوسائٹی میں سیرت اور قابلیت کے لحاظ سے جو زیادہ سے زیادہ صالح اور اہل افراد مل سکتے ہوں اُن کو صوبے کا آئندہ نظم ونسق چلانے کے لئے منتخب کرایا جائے۔

سوم یہ کہ ۱۹۳۵ء کے غیر جمہوری دستور میں صوبوں کی حکومتوں کو جو محدود اختیارات حاصل ہیں ان کو استعمال کر کے کم از کم اس صوبے میں نظام اسلامی کی تعمیر، اجتماعی انصاف کے قیام، اور نظم ونسق کی اصلاح کے ایک پروگرام کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا جائے۔

یہ تین مقصد نگاہ میں رکھ کر جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں اور جس طرح کرنا چاہتے ہیں اس کی مختصر تشریح میں اس مضمون میں کروں گا۔

طریقۂ انتخاب کی اصلاح

امیدواری کے عیوب

انتخاب کے جو طریقے ہم نے اپنے سابق مغربی آقاؤں اور استادوں سے سیکھے ہیں، اُن میں فتنے کی جڑ امیدواری ہے۔ امیدواری اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے حکومت کی ہوس، طاقت کی حرص اور اقتدار کے لالچ کا دوسرا نام ہے۔ یہ چیز بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ جو شخص یا گروہ امیدوار بن کر اٹھ رہا ہے وہ حکومت کی بھاری ذمے داریوں کے بجائے اس کے فوائد و منافع پر نظر رکھتا ہے۔ ورنہ

ظاہر ہے کہ جس کی نظر فوائد کے بجائے اس کام کی ذمہ داریوں پر ہو اور جسے احساس ہو کہ خدا اور خلق کے سامنے اس کی کیسی سخت جواب دہی اس کو کرنی ہو گی، وہ اس بارِ عظیم کو خود اٹھانے کا خواہشمند نہیں ہو سکتا، الّا یہ کہ یہ بوجھ اس پر ڈال دیا جائے۔ لہٰذا امیدواری فی نفسہ ایک ایسی علامت ہے جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ جس شخص میں یہ چیز پائی جاتی ہے اس کا نفس احساسِ ذمہ داری سے خالی اور حرص و طمع کے جذبات سے لبریز ہے۔

موجودہ زمانے میں اس گھناؤنی حقیقت کو بہت سے خوشنما الفاظ کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ہم ملک اور قوم کی بھلائی کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس لئے اٹھ رہے ہیں کہ اگر ہم نہ اٹھیں گے تو برے اور نالائق لوگ منتخب ہو جائیں گے۔ ہم اصلاح اور ترقی کا ایک پروگرام رکھتے ہیں اور قوم سے اس لئے ووٹ مانگتے ہیں کہ اگر وہ اسے پسند کرے تو اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمیں منتخب کرے۔ اور قوم آخر خود کس طرح کام کے آدمی چھانٹ سکتی ہے جب کہ کام کا ارادہ اور خواہش رکھنے والے لوگ خود آگے بڑھ کر اپنے آپ کو اور اپنے اپنے پروگراموں کو اس کے سامنے پیش نہ کریں۔ ایسی ہی اور بہت سی دوسری باتیں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہیں کہ امیدواری محض لالچ ہی کی بنا پر نہیں بلکہ بے غرضانہ اور مخلصانہ خدمت کی نیت سے بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن تمام حیلوں اور دلیلوں کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ جس خدمت کے ساتھ خطرات نقصانات اور تکالیف وابستہ ہوں اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا تو بلاشبہ ایک سچے جذبۂ خدمت کی علامت ہو سکتا ہے، مگر جہاں خدمت اور دولت و حکومت باہم ملی جلی ہوں وہاں اپنے آپ کو خود پیش کرنے میں اخلاص کے امکانات بہت کم اور حرص و طمع کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ یہ بات محض ایک عقلی قیاس کی حد تک ہی نہیں ہے بلکہ اب تک کے تجربات نے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ جو لوگ جذبۂ خدمت کے دعوے لے کر اٹھے ان میں بہت ہی کم ایسے نکلے جنہوں نے برسرِ اقتدار آ کر بے غرضانہ خدمت انجام دی ہو، ورنہ اکثر و بیشتر نے خدمت کے بجائے حکومت کے فوائد ہی سمیٹنے کی کوشش کی۔ اس چیز کی شکایت صرف ہمارے ملک ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ امریکہ اور فرانس جیسے جمہوری ملکوں میں بھی یہ شکایت عام ہے۔

انتخابی جدوجہد کے ناپاک طریقے

امیدواری کی ان ذاتی خرابیوں پر مزید اضافہ اُن طریقوں سے ہو جاتا ہے جو امیدوار اشخاص اور گروہ اپنی کامیابی کے لئے اختیار کرتے ہیں۔

جھوٹے پروپیگنڈا سے رائے عام کو دھوکا دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ روپے کے زور سے ووٹ خریدے جاتے ہیں۔ نسلوں اور برادریوں کے نام سے ووٹ مانگ کر امت میں تفرقے پیدا کئے جاتے ہیں۔ مختلف طبقوں اور پیشہ ور گروہوں کی خود غرضیوں سے اپیل کر کے ان کو ایک دوسرے کے مقابلے میں نبرد آزما کیا جاتا ہے۔ اصول اور پروگرام پیش کرنے کے بجائے کہیں جاہلانہ عصبیتیں ابھار کر اور کہیں ناجائز فائدوں کی توقعات دلا کر رائے عام کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک امیدواری اپنی غرض کی خاطر ہزار فتنے اٹھا کر رہتی ہے جن کی وجہ سے قومی اخلاق، تمدن، معاشرت اور سیاست کو بے شمار نقصانات پہنچتے ہیں۔ پھر سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کی انتخابی جدوجہد میں قوم کا صالح عنصر تو اس کے گھناؤنے پن کی وجہ سے شریک ہی نہیں ہوتا، رہے غیر صالح عناصر، تو ان میں سے بھی وہ سب لوگ ناکام رہ جاتے ہیں جو نسبتاً کم جھوٹے، کم زردار اور کم فتنہ پرداز ہوتے ہیں، اور قوم کے معاملات کو سنبھالنے کے لئے وہ بدترین اشخاص چھانٹ لئے جاتے ہیں جو بداخلاقی کی اس جنگ میں تمام بداخلاقوں کو شکست دے دیتے ہیں۔

پارٹی سسٹم کی برائیاں

یہ خرابیاں محض شخصی امیدواری کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں۔ جن لوگوں کو سیاسی پارٹیاں اپنے ٹکٹ پر کھڑا کرتی ہیں ان کی امیدواری میں بھی یہی سب خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اس صورت میں خرابیوں کا پیمانہ کچھ زیادہ ہی وسیع ہو جاتا ہے۔ سیاسی پارٹیوں کا ظاہری طریق کار بڑا خوشنما ہوتا ہے جسے دیکھ کر لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ کرتی ہیں اپنے بیان کردہ اصولوں اور پروگراموں کی خاطر کرتی ہیں۔ لیکن درحقیقت ان پارٹیوں میں شاذونادر ہی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی لائق آدمی کو اس کی اپنی طلب و خواہش کے بغیر خود پارٹی کی طرف سے محض یہ دیکھ کر ٹکٹ دے دیا جائے کہ وہ اعلیٰ قابلیت رکھتا ہے، قابلِ اعتماد سیرت کا مالک ہے اور پارٹی کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے موزوں آدمی ہے۔ پارٹی کے ٹکٹ بالعموم مالدار اور با اثر لوگوں کو دیئے جاتے ہیں، جو اس غرض کے لئے مدتوں سازشیں اور جوڑ توڑ کرتے رہتے ہیں، اور جن سے پارٹی کے کسی مضبوط دھڑے کو یہ امید ہوتی ہے کہ وہ اس کی معاشی و سیاسی اغراض کی خدمت کریں گے۔ یہ عیب صرف ہمارے ملک ہی کے پارٹی سسٹم میں نہیں ہے بلکہ ان تمام ملکوں میں کم و بیش پایا جاتا ہے۔ جہاں جمہوریت میں پارٹی سسٹم کارفرما ہے۔ کہیں اس کے عیوب سطح پر نمایاں ہیں، اور کہیں گہرائی میں

پوشیدہ۔ بہرحال یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ پارٹی ٹکٹ میں وہ تمام برائیاں موجود ہوتی ہیں جو شخصی امیدواری میں پائی جاتی ہیں۔ فرق اگر کچھ ہے تو یہ کہ شخصی امیدواری میں ایک شخص تنہا اپنی اغراض کے لئے کام کرتا ہے اور پارٹی سسٹم میں بہت سے خودغرض لوگ منظم طریقے سے اپنی مقصد برآری کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔

اسلام امیدواری کا مخالف ہے

اسلام اسی وجہ سے امیدواری کا مخالف ہے۔ اس نے یہ مستقل اصول قائم کیا ہے کہ حکومت میں ذمے داری کا کوئی منصب کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جو خود اس کا طالب ہو۔ اس باب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بالکل واضح ہیں۔ قرآن میں صاف فرمایا گیا ہے :۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔ (القصص۔ ۹)	وہ آخرت کا گھر (یعنی جنت) تو ہم اُن لوگوں کو کے لئے رکھیں گے جو زمین میں خود اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کا ارادہ رکھتے ہیں اور عاقبت صرف خدا ترس لوگوں کے لئے ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن سَمُرَہ سے فرمایا :۔

لاتسأل الامارة فانك ان اعطيتها عن غير مسئلة اُعِنتَ عليها وان اعطيتها عن مسئلة وكلت اليها۔ (بخاری ومسلم)	حکومت کی طلب نہ کرو کیونکہ اگر وہ تجھے بے طلب دی گئی تو خدا کی طرف سے تیری مدد کی جائیگی اور اگر وہ تیرے مانگنے سے تجھے دی گئی تو تجھ کو اسی کے حوالے کر دیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا :۔

تجدون خير الناس اشدهم كراهية لهذا الامر حتى يقع فيه۔ (بخاری ومسلم)	تم لوگ ایسے شخص کو بہترین اشخاص میں سے پاؤ گے جو حکومت کے منصب سے سخت کراہیت رکھتا ہو یہاں تک کہ وہ مجبوراً اس میں مبتلا ہو جائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ میں اپنے رشتہ داروں میں سے دو آدمیوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دونوں صاحبوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ہم کو حکومت میں کسی منصب پر مقرر فرمایا جائے اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کے مختلف فقرے مختلف روایات میں وارد ہوئے ہیں، بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

انا واللّٰہ لا نولی علیٰ ھذا العمل احدًا سألہ ولا احدا حرص علیہ۔

خُدا کی قسم ہم اس حکومت کے کسی منصب پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے جو اس کا طالب ہو اور نہ کسی ایسے شخص کو جو اس کا حریص ہو۔

دوسری روایت میں ہے:۔

لانستعمل علیٰ عملنا من ارادہ۔

ہم اپنی حکومت کے کام میں کسی ایسے شخص کو استعمال نہیں کرتے جو خود اس کا خواہشمند ہو۔

ابوداؤد میں آپؐ کے یہ الفاظ آئے ہیں:۔

ان اخونکم عندنا من طلبہ۔

تم میں سب سے بڑا خائن ہمارے نزدیک وہ شخص ہے جو اس چیز کا طالب ہو۔

جماعت اسلامی کی انتخابی پالیسی

رسولِ برحقؐ کے یہ ارشادات بجائے خود حکمت و دانائی کے جواہر تھے، جن کی سچائی پر عقلِ سلیم گواہی دے رہی تھی۔ لیکن اب تو زمانے کے تجربات نے بھی ان پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اب ہم کو اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہا ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی اور قومی سیاست کو جن چیزوں نے سب سے بڑھ کر گندا کیا ہے ان میں سے ایک یہ امیدواری اور پارٹی ٹکٹ کا طریقہ ہے۔ اسی بنا پر جماعت اسلامی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ناپاک طریقِ انتخاب کی جڑ کاٹ دی جائے۔ یہ جماعت نہ اپنے پارٹی ٹکٹ پر آدمی کھڑے کرے گی، نہ اپنے ارکان کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونے کی اجازت دے گی، نہ کسی ایسے شخص کی تائید کرے گی جو خود امیدوار ہو اور اپنے لئے آپ ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے، خواہ انفرادی طور پر یا کسی پارٹی کے ٹکٹ پر۔ یہی نہیں بلکہ جماعت اپنی انتخابی جدوجہد میں خاص طور پر یہ بات عوام الناس کے ذہن نشین کرے گی کہ امیدوار بن کر اٹھنا اور اپنے حق میں ووٹ مانگنا

آدمی کے غیر صالح اور نااہل ہونے کی پہلی اور کھلی ہوئی علامت ہے، ایسا آدمی جب کبھی اور جہاں کہیں سامنے آئے لوگوں کو فوراً سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ایک خطرناک شخص ہے، اس کو ووٹ دینا اپنے حق میں کانٹے بونا ہے۔

صالحین کے انتخاب کا طریقہ

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان پرانے طریقوں کو چھوڑ کر جماعت وہ ایسا کون سا طریقہ اختیار کرے گی جس سے ہماری اسمبلی کے لئے صالح آدمی منتخب ہوسکیں؟ اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ ہم امیدواری اور پارٹی ٹکٹ کو ختم کرکے انتخاب کا یہ طریقہ رائج کرنا چاہتے ہیں کہ عوام الناس خود اپنے اندر سے بہتر آدمیوں کو چھانٹیں اور ان سے خود درخواست کریں کہ وہ ان کے نمائندے بننا قبول کرلیں لیکن یہ مختصر جواب ان لوگوں کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہوسکتا جو پرانی ڈگر پہ چلنے کے خوگر ہیں اور کسی نئی بات کو آسانی سے اخذ نہیں کرسکتے۔ اس لئے میں ذرا وضاحت کے ساتھ بتاؤں گا کہ اس نئے طریقے کو عملی جامہ پہنانے کی تفصیلی صورت کیا ہوگی۔

عوام کی ذہنی و اخلاقی تربیت

سب سے پہلا کام جو اس سلسلے میں ہم کریں گے وہ عوام کی اخلاقی و ذہنی تربیت ہے۔ ہم ایک طرف پچھلے تجربات پر تنقید کرکے ان کو بتائیں گے کہ آج تک جن خرابیوں کا خمیازہ وہ بھگت رہے ہیں ان کے اصل اسباب کیا تھے؛ اور دوسری طرف انھیں ایسی تعلیم دیں گے جس سے وہ اپنا ووٹ صحیح طریقے پر استعمال کرسکیں۔ ہم ان کو بتائیں گے کہ اب تک ووٹ دینے کے معاملے میں وہ کیا غلطیاں کرتے رہے ہیں جن کی وجہ سے غیر صالح، نااہل اور ناقابل اعتماد لوگ ان کے نمائندے بنتے رہے۔

ہم ان کو بتائیں گے کہ اب تک تم کسی نہ کسی پارٹی پر اندھا اعتماد کرکے اپنے معاملات اس کے ہاتھ میں دیتے رہے ہو، اس نے جس کو ٹکٹ دے دیا تم نے آنکھیں بند کرکے اسی کو ووٹ دیدیا۔ خدا نے جو آنکھیں تم کو دی تھیں انھیں کھول کر تم نے خود یہ نہ دیکھا کہ جس شخص کو ہم ووٹ دے رہے ہیں وہ کس اخلاق، کس سیرت و کردار اور کس قابلیت کا آدمی ہے۔ اس کی سزا تم نے یہ پائی کہ جن لوگوں پر تم نے بھروسہ کیا تھا انھوں نے تم سے دغا کی انھوں نے اپنے مطلب کے آدمی چن چن کر اسمبلیوں میں بھر دئیے اور پھر متحد و منظم ہوکر وہ لوٹ مچائی اور تمہارے مفاد کی طرف سے ایسی آنکھیں پھیریں کہ آج تم میں کا ہر شخص ان کے لگائے ہوئے زخموں سے کراہ رہا ہے۔ اب اس تجربہ سے

فائدہ اٹھاؤ۔ اپنے معاملے کو دوسروں کے ہاتھ میں دینے کے بجائے خود اپنے ہاتھ میں لو۔ آنکھیں بند کرکے کوئی کام نہ کرو۔ خدا نے یہ آنکھیں دیکھنے کے لئے دی ہیں۔ انھیں کھول کر دیکھو کہ جس آدمی کو تم کئی سال کے لئے اپنے ملک کے انتظام پر مسلط کر رہے ہو وہ کہاں تک بھروسے کے لائق ہے۔

ہم ان کو بتائیں گے کہ اب تک تمہارے سامنے اسمبلی کی ممبری کے لئے اگر کوئی معیار رہا بھی ہے تو وہ غلط معیار رہا ہے۔ تم نے اپنے نمائندے میں اگر کوئی صفت تلاش کی تو یہ کی کہ وہ چالاک ہو تاکہ چالبازیوں میں حریف قوموں کا مقابلہ کرسکے۔ یا یہ کہ وہ تمہاری برادری کا آدمی ہو تاکہ دوسری برادریوں کے مقابلے میں تمہارا سر اونچا ہو۔ یا یہ کہ وہ بااثر ہو تاکہ تمہارے بیٹوں کو نوکریاں دلوائے، تمہیں ناجائز فائدے اٹھانے میں ہر طرح مدد دے، اور اس کے زیر سایہ رہ کر تم ہر قسم کے جرائم کرکے بھی پولیس اور عدالت کی پکڑ سے بچ سکو۔ لیکن تجربے نے تمہیں بتادیا کہ یہ سارے معیار غلط تھے۔ چالباز آدمی صرف باہر والوں ہی کے ساتھ چالبازیاں نہیں کرتا بلکہ اپنی وہی چالیں گھروالوں کے ساتھ بھی چلتا ہے، کیونکہ اس کے پاس تو ایک ہی سکہ ہے جسے وہ اندر بھی چلائے گا اور باہر بھی۔ بااثر آدمی اگر ایسا بے ایمان ہے کہ دوسروں کو ناجائز فائدے پہنچانے میں بھی تامل نہیں کرتا تو تم کیسے بھروسہ کرسکتے ہو کہ وہ خود ناجائز فائدے اٹھانے سے باز رہ جائے گا۔ رہی برادری، تو آدمی کی اصل خوبی اس کی نسل اور اس کا خاندان نہیں ہے بلکہ اس کا ایمان ہے۔ جو شخص ایماندار ہے وہ چاہے کسی برادری کا ہو، بہرحال سب سے وفا اور سب کے ساتھ انصاف کرے گا، اور جو ایماندار نہیں ہے اس سے کوئی بھی وفا اور انصاف کی امید نہیں کرسکتا، نہ برادری کا اور نہ برادری کے باہر کا۔ اس لئے اب برادریاں دیکھنے کا طریقہ چھوڑدو اور ایمان کی صفت تلاش کرو۔

ہم ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی یاد دلائیں گے کہ کما تکونون کذالک یُوَمَّرُ علیکم (جیسے تم ہوگے ویسے ہی تم پر حکمران بنائے جائیں گے) اور اعمالکم عمالکم (تمہارے اپنے اعمال ہی تمہارے حاکموں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں) ہم ان سے کہیں گے کہ اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو اور یہ تمنا رکھتے ہو کہ خداوند تعالیٰ تم پر اچھے حاکم مقرر کرے تو اپنے آپ کو بدلو، اپنے اخلاق ٹھیک کرو، اپنی نیتیں درست کرو، اور اپنے خدا کے وفادار بنو۔ تم خدا سے دغا کرنا چھوڑدو گے تو خدا بھی تم پر ان حاکموں کو مسلط نہ کرے گا جو تم سے دغا کریں۔

ہم ان کے سامنے نظام اسلامی، اجتماعی انصاف اور نظم و نسق کی اصلاح کا ایک واضح پروگرام رکھیں گے

اور ان سے کہیں گے کہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ یہ پروگرام برحق ہے اور تمہارے درد کا مداوا بن سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ تسلیم کریں گے کہ وہ پروگرام برحق بھی ہے اور ان کی مصیبتوں کا صحیح علاج بھی تو پھر ہم ان سے کہیں گے کہ اب تم خود تلاش کرو کہ تمہارے درمیان اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے صالح لوگ کون ہیں۔

صالح کا معیار

پھر ہم صرف یہ کہنے پر اکتفا نہ کریں گے کہ تم اپنے اندر صالح آدمی تلاش کرو بلکہ ان کے سامنے صالحیت کا ایک واضح معیار بھی رکھیں گے تاکہ آدمیوں کو پرکھنے میں انھیں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ ہم ان سے کہیں گے کہ ایک اسلامی نظام حکومت کو چلانے کے لئے آدمی میں چار شرطیں پائی جانی ضروری ہیں۔

اول یہ کہ وہ اپنی ذاتی زندگی اور اپنے گھر کی زندگی میں اسلام کا سچا پیرو ہو۔ وہ خدا کے عائد کئے ہوئے فرائض کو ادا کرتا ہو۔ وہ کھلے کھلے گناہوں کا مرتکب نہ ہو۔ اس کے گھر میں خدا کے قوانین علانیہ نہ توڑے جاتے ہوں۔

دوم یہ کہ تم نے اپنے تجربے میں اس کو ایک سچا، ایماندار اور کھرا آدمی پایا ہو۔ تمہاری بستیوں کے عام لوگ اس بات کے گواہ ہوں کہ وہ ایک نیک انسان ہے۔ وہ جھوٹا اور بدمعاملہ آدمی نہ ہو۔ وہ حرام خور، ظالم اور دوسروں کے حق مارنے والا نہ ہو۔ وہ رشوتیں کھانے اور کھلانے والا نہ ہو۔ اس کا دامن لوٹ مار سے، ناجائز الاٹمنٹوں سے اور بلیک مارکٹنگ سے پاک ہو۔

سوم یہ کہ وہ دینِ اسلام سے بھی واقف ہو اور دنیا کے معاملات کی سمجھ بھی رکھتا ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ بڑا عالم فاضل اور کسی دینی مدرسے کا سند یافتہ ہو۔ لیکن بہرحال اسلام کے اصولوں سے اس کا واقف ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک وہ اسلام کو جانے گا نہیں، آخر وہ ایک اسلامی نظام حکومت چلائے گا کیسے؟ اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دنیا کے معاملات سے بھی اچھی واقفیت رکھتا ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ آخر ان سیاسی، معاشی، تمدنی، تعلیمی، قانونی اور انتظامی مسائل کو کیسے سمجھے گا جن پر اسے اسلام کے اصولوں کو منطبق کرنا ہے؟

چہارم یہ کہ وہ جاہ طلب اور اقتدار کا حریص نہ ہو۔ اس سے ایسی کوئی بات ظہور میں نہ آئے جو یہ پتہ دیتی ہو کہ وہ اسمبلی میں جانے کے لئے خود کوشاں ہے۔

ہم توقع رکھتے ہیں کہ ہماری ان شرطوں کو دیکھ کر لوگوں کے دل خود گواہی دیں گے کہ بلاشبہ ایک صالح آدمی میں یہی شرائط پائی جانی چاہئیں۔ تاہم اگر کوئی اللہ کا بندہ ہماری ان شرائط میں کوئی کمی یا بیشی تجویز کر سکتا ہو

توضرور کرے، ہم دلی شکریہ کے ساتھ اس کی تجویز قبول کریں گے۔

انتخابات کے لئے عوام کی تنظیم

اس طرح عوام کے ذہن کو صحیح انتخاب کے لئے تیار کرنے کے بعد ہم دوسرا قدم اٹھائیں گے اور وہ یہ ہوگا کہ ہمارے کارکن ہر جگہ عوام کو انتخاب کے لئے منظم کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم اس امر کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑنا چاہتے کہ کوئی شخص دو چار یا دس پانچ حامیوں کے ذریعے سے اپنی صالحیت کا پروپیگنڈا شروع کر دے اور پھر یہ اعلان کرا دے کہ اس کو صالح دیکھ کر لوگوں نے اسے اسمبلی کی ممبری کے لئے اٹھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس قسم کی حیلہ سازیوں کی روک تھام کے لئے، اور واقعی اہل اور صالح آدمیوں کو چھانٹنے کے لئے ہم ہر حلقۂ انتخاب میں پورے اعلان کے ساتھ عام اور کھلے جلسے کر کے لوگوں کو دعوت دیں گے کہ وہ اپنی محلہ وار اور قریہ وار انتخابی پنچائتیں بنائیں[۱]، ان میں باہم سر جوڑ کر بیٹھیں، اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر تمام تعصبات اور اغراض سے دلوں کو پاک کر کے، پوری ایمانداری کے ساتھ یہ رائے قائم کریں کہ ان کے درمیان کون لوگ ایسے ہیں جو مذکورۂ بالا شرائط کے مطابق صالح کہے جا سکتے ہیں[۲]۔ اگر خدانخواستہ وہ اپنے محلہ یا اپنی بستی میں کسی کو موزوں نہ پائیں تو اپنے حلقۂ انتخاب کے لوگوں پر نظر ڈالیں۔ اگر پورے حلقے میں کوئی نظر نہ آتا ہو تو اپنے حلقے سے باہر دیکھیں۔

اس سلسلے میں جتنے نام پیش کئے جائیں گے۔ ان کو عام لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور ہر ایک کو کھلی تنقید کا موقع دیا جائے گا تاکہ جس کا جو کچھ بھی حسن و قبح ہے کھل کر سامنے آ جائے۔

پھر اس تنقید سے جو لوگ چھٹ کر نکل آئیں گے ان کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا اور ان سے درخواست کی جائے گی کہ وہ بالاتفاق، یا اکثریت کے ساتھ اپنے اندر سے ایک مرد صالح کو چھانٹ لیں۔ جہاں یہ تدبیر چل سکے گی وہاں بدرجہ آخر قرعہ اندازی سے کام لیا جائے گا۔

---

[۱] جماعت اسلامی کے ارکان اور ہمدرد ہر جگہ اپنے اپنے محلوں اور بستیوں کی پنچایتوں میں شریک ہوں گے۔ وہ ان سے الگ رہ کر محض ان کی تنظیم کر دینے ہی پر اکتفا نہ کریں گے بلکہ ان کے اندر شامل ہو کر انتخاب کے کام میں ان کی مدد بھی کریں گے۔

[۲] اس غرض کے لئے ہم ہر پنچایت کے تمام ارکان سے ووٹر کے عہدنامے پر دستخط لیں گے جو علیحدہ طبع ہو چکا ہے۔ پنچایت میں صرف انھی لوگوں کو شریک کیا جائے گا جو اس عہدنامے پر دستخط کر چکے ہوں۔

اس طریقے سے جو شخص بھی چھانٹا جائے گا اُسے حلقۂ انتخاب کے عوام کی طرف سے کھڑا کیا جائے گا۔ وہ شخص خواہ جماعت اسلامی کا رکن ہو یا نہ ہو، یہ جماعت اسی کی تائید کرے گی[1]۔ اس کو اپنا زرِ ضمانت خود ادا کرنے کی ضرورت نہ ہو گی۔ حلقۂ انتخاب کے عام لوگ اس کی طرف سے ادا کریں گے۔ وہ انتخاب کی مہم میں ایک پیسہ اپنی جیب سے خرچ نہ کرے گا۔ سارا خرچ حلقے کے لوگ کریں گے۔ وہ اپنی تعریف کے گُن آپ نہ گاتا پھرے گا اور نہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے اپنے ایجنٹ چھوڑے گا۔ اس کے اوصاف وہ لوگ بیان کریں گے جنھوں نے اسے کھڑا کیا ہو گا اور وہی اس کے حق میں عام رائے دہندوں کی رائے ہموار کریں گے۔ اس کی ذات پر اگر کیچڑ اچھالی جائے گی تو اسے صاف کرنے کی زحمت وہ خود نہ اٹھائے گا۔ یہ فرض اس کی طرف سے دوسرے لوگ انجام دیں گے۔ اس کو یہ حق تو ضرور رہے گا کہ کسی دوسرے حلقے میں کسی دوسرے مردِ صالح کی تائید کے لئے جا کر انتخابی جد وجہد کرے، مگر خود اپنے حلقے میں اپنے لئے کوئی جد وجہد کرنے کا حقدار نہ ہو گا۔ اپنے حلقے میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ اسے کرنا ہو گا وہ صرف یہ کہ اگر حلقے کے عام لوگ اس کو دیکھنا اور اس کے خیالات سننا چاہیں گے تو وہ ان کے جلسوں میں آئے گا اور ان کو موقع دے گا کہ وہ اسے اچھی طرح سمجھیں اور ہر پہلو سے پرکھ لیں۔

اسمبلی کے اندر کام کا نقشہ

اوپر جس طریقِ کار کی تشریح کی گئی ہے اس کے مطابق جو لوگ انتخابات میں نمائندگی کے لئے کھڑے کئے جائیں گے ان سے حلقۂ انتخاب کے بھرے جلسوں میں اور جامع مسجدوں میں برسرِ عام ایک عہد کیا جائے گا جو

---

[1] واضح رہے کہ اگر کسی حلقۂ انتخاب کی پنچایت جماعت اسلامی کے کسی رکن پر اعتماد کا اظہار کر کے اسے اپنی نمائندگی کے لئے لینا چاہے گی تو جماعت اس رکن کی خدمات پیش کر دے گی۔ اور اگر کوئی پنچایت ہمارے کسی رکن کا نام لئے بغیر ہم سے درخواست کرے گی کہ ہم اپنا کوئی آدمی اس کو دیں تو اس صورت میں ہم اپنی صواب دید کے مطابق کوئی اہل آدمی اس کے لئے تجویز کر دیں گے۔ اور اگر کوئی پنچایت بالاتفاق یا اکثریت کے ساتھ کسی ایسے شخص کو صالح قرار دے جو مسلم لیگ یا احراری لیگ یا کسی اور جماعت سے تعلق رکھتا ہو، تو ہمیں اس کا ساتھ دینے میں بھی تامل نہ ہو گا، بشرطیکہ وہ اپنی پارٹی کے ٹکٹ پر نہ اٹھا ہو اور اپنی نامزدگی کے لئے خود کسی قسم کی دوڑ دھوپ نہ کر رہا ہو۔

حسبِ ذیل اجزا پر مشتمل ہوگا:-

نمائندوں کا عہدنامہ

(۱) وہ خُدا اور رسول کی وفاداری کو ہر چیز پر مقدم رکھیں گے اور پوری خُدا ترسی اور ایمانداری کے ساتھ ملک کا انتظام شریعتِ خُداوندی کے احکام اور اس کی روح کے مطابق چلانے کی کوشش کریں گے۔

(۲) وہ اسمبلی کے اندر یا اس کے باہر اپنی پوزیشن سے اپنی ذاتی اغراض یا اپنے خاندان اور احباب کی اغراض یا کسی خاص طبقے اور گروہ کی اغراض کے لئے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کریں گے۔

(۳) وہ اپنے حلقۂ انتخاب کے عوام سے قریب تر رہیں گے، عام لوگوں کی شکایات، مشکلات اور ضروریات سے اور اُن کے جذبات و احساسات سے باخبر رہیں گے، اور اپنی حد تک پوری کوشش کریں گے کہ آئین انصاف کے مطابق بے لاگ طریقے سے عوام کی خدمت کریں۔

(۴) اگر کسی وقت حلقۂ انتخاب کے عام لوگ اُسی طریقے سے اُن پر اظہارِ بے اعتمادی کریں جس طریقے سے وہ آج اُن پر اظہارِ اعتماد کر رہے ہیں تو وہ اپنی نشست سے استعفا دیدیں گے۔

(۵) وہ اسمبلی کے اندر دھڑے بندیوں، سازشوں اور وزارت کے جوڑ توڑ سے الگ رہیں گے۔ صاف صاف ایماندارانہ طریقے سے اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں گے جو انھیں عوام کی رضامندی سے دیا جائے گا۔ اور اپنی وزارت صرف اُس صورت میں بنائیں گے جبکہ اسمبلی میں اس پروگرام کے حامیوں کی اکثریت ہوگی۔

(۶) وہ اسمبلی کے اندر متفرق ہوکر نہ رہیں گے بلکہ اُن صالح نمائندوں کے ساتھ جو اس طریقے سے منتخب ہوکر گئے ہوں اور اس پروگرام کے پابند ہوں، مل کر ایک پارٹی بنائیں گے اور متحد ہوکر کام کریں گے۔

اسمبلی پارٹی کا نظم

اوپر جس پارٹی کا ذکر کیا گیا ہے اُس کا نظم بھی عام پارٹیوں کے نظم سے مختلف ہوگا، اس میں اس امر کی تو ضرور کوشش کی جائے گی کہ ہر مسئلے پر اسمبلی سے پہلے پارٹی کے اجتماعات میں بحث کرلی جائے اور حتی الامکان پارٹی ایک متفقہ رائے پر پہنچ کر اسمبلی کے مباحث میں حصّہ لے۔ لیکن پارٹی کے ارکان اس بات کے پابند نہ ہوں گے کہ اُن کی ایماندارانہ رائے خواہ کچھ بھی ہو بہرحال ہر معاملہ میں انھیں ووٹ اپنی پارٹی کے حق میں ہی دینا ہوگا، پارٹی کا مطالبہ اپنے ارکان سے صرف یہ ہوگا کہ وہ پارٹی پروگرام کے بنیادی

مقاصد اور اصولوں کے پابند رہیں۔ اصولی اختلاف البتہ برداشت نہ کیا جائے گا، مگر جزئیات و فروعات کے معاملے میں ارکان کو رائے اور ضمیر کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ ایسے معاملات میں جو ارکان پارٹی کی اکثریت کے نقطۂ نظر سے متفق نہ ہوسکیں گے اُن کو حق ہوگا کہ اسمبلی میں اپنے خیالات آزادی کے ساتھ پیش کریں اور جب دوسری پارٹی کی بات کو درست سمجھیں اُس کے حق میں ووٹ دیں۔ ایسا کرنا پارٹی ڈسپلن کے خلاف نہ ہوگا۔ اور نہ اس بنیاد پر کسی کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔

اگر اس پارٹی کو اسمبلی میں وزارت بنانے کا موقع ملے گا تو وہ مخالف پارٹیوں کے مقابلے میں اس ضد اور ہٹ دھرمی اور جماعتی تعصب سے کام نہ لے گی جو عام طور پر اکثریت رکھنے والی جماعتوں کا خاصہ ہوتا ہے۔ وہ کھلے دل سے سب کی بات سنے گی۔ ہر صحیح بات کو قبول کرے گی اور معقول دلائل کے مقابلے میں کبھی اپنی تجویزوں اور تدبیروں پر بیجا اصرار نہ کرے گی۔

وہ اس طریقے کی بھی پابند نہ ہوگی کہ جب کبھی وزارت کی کسی تجویز کو اسمبلی میں شکست ہوجائے تو وہ ضرور ہی وزارت سے استعفیٰ دیدے۔ استعفیٰ دینے کے بجائے وہ بالعموم اکثریت کی بات مان لیا کرے گی۔ البتہ وہ مستعفی اُس صورت میں ہوگی جبکہ اکثریت کی رائے کو قبول کرنے سے اُس کے پروگرام کے کسی بنیادی اصول پر زد پڑتی ہو، یا وزارت ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھے کہ اکثریت کی رائے انصاف کے یا مفادِ قومی کے خلاف ہے، یا پھر اکثریت اس پر بے اعتمادی کا اظہار کرے۔

پروگرام اوپر جس پروگرام کا ذکر کیا گیا ہے اُس کے بارے میں پیشگی کچھ کہنا میرے لئے مشکل ہے۔ جماعت اسلامی عنقریب اسے مرتب کرکے عوام الناس کے سامنے پیش کرنے والی ہے۔ اس کام میں دیر لگنے کی ایک اہم وجہ ہے۔ اگر محض جھوٹے وعدوں کا ایک مینا بازار لگا کر عوام کو فریفتہ کرنا پیشِ نظر ہوتا تو چند ساعتوں میں ایک منشور بنا کر پھینک دیا جاسکتا تھا۔ لیکن ہم صرف وہی لائحہ عمل پیش کرنا چاہتے ہیں، جسے فی الواقع عمل میں لایا جاسکے۔ اور اس طرح کا لائحہ مرتب کرنے میں اس وقت ایک سخت دشواری درپیش ہے۔ انتخابات سارے ملک میں نہیں ہو رہے ہیں بلکہ صرف ایک صوبے میں ہو رہے ہیں ۱۹۳۵ء کے جس دستور پر اس وقت ہماری حکومت کا نظام قائم ہے اس میں صوبوں کے اختیارات اول تو ویسے ہی بہت کم ہیں، اصل طاقت مرکز کے ہاتھ میں ہے، پھر

جبکہ مرکز پر ایک خاص پارٹی کلیۃً چھائی ہوئی ہو اور وہ پورے ملک کو جابرانہ گرفت کے ساتھ اپنے ڈھب پر لئے جارہی ہو، کسی ایسی پارٹی کے لئے کام کرنا سخت مشکل ہے جو مرکزی حکمرانوں کے علی الرغم صرف ایک صوبے میں برسرِ اقتدار آجائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم انتہائی احتیاط کے ساتھ ایک ایسا لائحہ مرتب کر رہے ہیں جسے مرکز کے عناد اور مزاحمت کے باوجود پنجاب میں جامۂ عمل پہنانے کی توقع کی جاسکتی ہو۔

متوقع نتائج

یہ طریقِ کار جس کی مختصر تشریح اوپر کی سطور میں کی گئی ہے اس ملک میں بلکہ تمام جمہوری ممالک میں پہلی مرتبہ اختیار کیا جارہا ہے۔ اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس پر عمل کرکے ہم کتنے حلقہ ہائے انتخاب سے صالح نمائندے منتخب کرانے میں کامیاب ہوسکیں گے۔ نشستوں کے لحاظ سے اس کوشش کے نتائج غیر یقینی ہیں، ان کا انحصار بہت بڑی حد تک اس امر پر ہے کہ ہمارے کارکن کہاں تک اس طریقِ عمل پر اس کی صحیح اسپرٹ کے مطابق کام کرتے ہیں، عوام کس حد تک اس ذہنی و اخلاقی تربیت اور اس انتخابی تنظیم کو قبول کرتے ہیں، اور حکومت کی انتظامی مشینری کہاں تک دیانت اور غیر جانبداری کے ساتھ اپنا فرض انجام دیتی ہے۔ تاہم اس وقت ہماری نگاہ میں اصل اہمیت اس کی نہیں ہے کہ کتنی نشستیں صالح نمائندوں کے لئے حاصل کی جاسکیں گی، بلکہ اس بات کی ہے کہ ہمارے ملک میں ایک صحیح طریقِ انتخاب کی ابتدا ہو جائے۔ اس کوشش کے چند نتیجے ہمارے نزدیک یقینی ہیں۔

اولاً اس طریقے سے جتنے نمائندے بھی منتخب ہوں گے وہ ان شاء اللہ ہماری سوسائٹی کے بہترین لوگ ہوں گے۔ اگر وہ کسی بڑی تعداد میں نہ بھی جاسکے، صرف دس پانچ آدمی ہی جاسکے، تب بھی ان سے ایک صحیح قسم کی حزب الاختلاف وجود میں آئے گی جو کشمکشِ اقتدار سے بچ کر پوری دیانت اور سچائی کے ساتھ اسلام کے برحق اور منصفانہ اصولوں کی نمائندگی کرے گی اسے چاہے طاقت حاصل نہ ہو، مگر اس کی موجودگی میں طاقت والوں کو وہ دھاندلی مچانے کا موقع نہ مل سکے گا جس کے نمونے سابق پنجاب اسمبلی میں دیکھے جاچکے ہیں، اور آج بھی دوسرے صوبوں میں اور مرکز میں نظر آرہے ہیں۔

ثانیاً اس ذریعے سے ہمارے عوام کو پہلی مرتبہ ایسی تربیت کا موقع ملے گا جو اُن کے اندر صحیح مذہبی،

اخلاقی اور سیاسی شعور پیدا کرے گی اور ان کو اس قابل بنائے گی کہ وہ اپنے قومی معاملات کو خود سمجھیں، بھلے اور بُرے میں تمیز کریں، کام کے آدمیوں کو پرکھیں، اور اپنی باگیں ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیں جو قابلِ اعتماد سیرت و قابلیت کے مالک ہوں۔ اس نئے طریقِ انتخاب سے وہ دور رخصت ہو جائے گا جس میں ہمارے ملک کی پبلک بے عقل جانوروں کی طرح ہانکی اور جذباتی نعروں کے سیلاب میں بہائی جاتی تھی۔

ثالثاً، یہ طریقِ انتخاب جتنا جتنا رواج پاتا جائے گا، انشاء اللہ ہماری قوم کا دینی و اخلاقی معیار بلند اور ہمارا اجتماعی ماحول پاکیزہ ہوتا چلا جائے گا۔ قاعدے کی بات ہے کہ مارکیٹ میں جس چیز کی مانگ ہوتی ہے اسی کی پیداوار بڑھتی ہے اور جس کی مانگ نہیں ہوتی اس کی پیداوار گھٹتی چلی جاتی ہے۔ اب تک ہمارے ہاں نیک، شریف اور راستباز لوگوں کی کہیں پوچھ ہی نہ تھی۔ آگے بڑھنے کے سارے مواقع صرف ان لوگوں کے لئے کھلے ہوئے تھے جو عیّار اور سازشی ہوں اور اپنی اغراض کے لئے ہر طرح کی بھلی اور بری تدبیریں کرنے میں آزاد ہوں۔ اسی وجہ سے پہلی قسم کی صفات ہمارے ہاں گھٹ رہی تھیں اور دوسری قسم کی صفات کو روز بروز زیادہ فروغ نصیب ہو رہا تھا۔ اب اگر حالات کا رخ بدلے گا، اگر ہمارے ہاں نیکی اور شرافت کی اور دینداری اور صداقت کی پوچھ ہونے لگے گی، اور اگر لوگ دیکھیں گے کہ بددیانتی جھوٹ، فریب اور خود غرضانہ چالبازیوں سے اس بدلے ہوئے ماحول میں آدمی آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے پھینکا جانے لگتا ہے، تو دیکھتے دیکھتے طبائع کا رجحان بدل جائے گا اور لوگ خود بخود بری صفات کے بجائے بھلی صفات اپنے اندر پرورش کرنے لگیں گے۔

رابعاً، ہم توقع رکھتے ہیں کہ جدوجہد کا یہ نیا میدان خود ہمارے کارکنوں کی تربیت کے لئے بھی بہت مفید ثابت ہوگا۔ اس میں صرف یہی نہیں کہ ان کو براہِ راست عوام سے رابطہ قائم کرنے کا موقع ملے گا اور وہ عمومی اصلاح کے کام کا تجربہ حاصل کریں گے، بلکہ اس کے ساتھ انشاء اللہ ان کا اپنا اخلاقی تزکیہ بھی بڑی خوبی کے ساتھ ہوگا۔ ایک مدت دراز سے ہماری قومی سیاست پر وہ لوگ چھائے رہے ہیں جو خدا سے بے خوف اور اخلاق کی بندشوں سے آزاد ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارے اجتماعی ماحول کو کچھ بیت الخلا کے ماحول سے بھی زیادہ گندا کر دیا ہے اور حالت یہ ہو گئی ہے کہ کوئی شخص اصلاحِ احوال کے لئے ایک قدم بھی غلاظت کی چھینٹیں کھائے بغیر نہیں چل سکتا۔ ایسے وقت میں اس قسم کے لوگوں کے علی الرغم انتخاب کی جدوجہد کرنا اور

ایسے طریقے سے کرنا جس میں یہ لوگ صریح طور پر اپنی سیاسی زندگی کی موت دیکھ رہے ہیں، بڑا عزم، بڑا ضبط وتحمل، بڑا صبر اور بڑا اخلاص چاہتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس راہ میں کامیابی کے لئے خدا اور اس کے دین سے سچا تعلق اور امتِ محمدیہ کے لئے خیر خواہی کا بے لوث جذبہ درکار ہے۔ ہمارے کارکنوں کو اس راہ میں ہر قسم کی گالیوں سے، جھوٹے الزامات سے اور غیر شریفانہ مزاحمتوں سے سابقہ پیش آئے گا، اگر وہ خدا کے فضل سے ان ساری چیزوں کا مقابلہ سنجیدگی، شرافت اور سچائی کے ساتھ کر لے گئے تو یقیناً ان کے نفس پہلے سے زیادہ پاک ہو جائیں گے اور وہ خدا کی راہ میں اس سے زیادہ بڑے کام کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی توفیق سے میری اور میرے رفقا کی مدد فرمائے۔

استدراک

سطور بالا میں امیدواری کے خلاف قرآن وحدیث سے جو استدلال کیا گیا ہے اس کے مقابلے میں بعض لوگوں نے چند دلائل پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام میں مناصب حکومت کے لئے امیدوار ہونا جائز ہے۔ ذیل میں ہم ان کے دلائل مع جواب درج کرتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلا استدلال حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ سے کیا جاتا ہے کہ انھوں نے شاہِ مصر سے فرمایا تھا اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ "مجھے ملک کے خزانوں پر حاکم مقرر کر دیجیے، میں حفاظت کرنے والا اور کارداں ہوں"۔ امیدواری کے حامیوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ ایک نبی کا فعل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں بیان فرمایا ہے اور اشارۃً و کنایۃً بھی اس کی مذمت نہیں کی ہے۔ لہٰذا اس کے جائز ہونے میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کی جس آیت سے استدلال کیا ہے وہ عام قانون بیان کرتی ہے، اور حضرت یوسف کا یہ واقعہ محض ایک استثنا کی نظیر ہے۔ عام قانون تو یہی ہے کہ ایک خدا ترس آدمی کو خود برتری و بالا دستی کا طالب نہ ہونا چاہیے۔ مگر اس میں ایک مستثنیٰ صورت یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر کوئی صالح شخص یا گروہ یہ دیکھے کہ

ملک میں کوئی صالح آدمی یا گروہ اس کے سوا موجود نہیں ہے اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر اس نے خود آگے بڑھ کر زمام کار ہاتھ میں نہ لی تو خدا کی زمین کا انتظام فساق و فجار یا کفار و مشرکین کے ہاتھ میں چلا جائے گا اور نظام صالح برپا کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل جائے گا، تو اس صورت میں اُس مرد صالح یا گروہ صالح کے لئے جائز بلکہ لازم ہے کہ اپنے آپ کو منصب حکومت کے لئے خود پیش کرے۔ حضرت یوسف نے یہ فعل ایسے ہی حالات میں کیا تھا۔ اُس وقت پورے ملک مصر میں کوئی مومن صالح ان کے سوا موجود نہ تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ شاہِ مصر اُن کا معتقد ہو چکا ہے اور اس کی عقیدت مندی کی وجہ سے سرزمینِ مصر میں ایک صالح نظام حکومت قائم کرنے کا موقع پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے انھوں نے بلا تامل خود آگے بڑھ کر مطالبہ کیا کہ زمام کار میرے ہاتھ میں دو۔ ایسی صورتِ حال اگر خدانخواستہ آج یہاں پیدا ہو جائے تو ہم یقیناً صلحاء کے لئے امیدواری کو جائز قرار دیں گے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس ملک کی موجودہ صورتِ حال یہ نہیں ہے، اس لئے ہم اس عام قاعدے ہی پر عمل کرنا صحیح سمجھتے ہیں جو اوپر قرآن و حدیث کی سند سے بیان کیا گیا ہے۔

(۲) دوسرا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے کیا جاتا ہے جس میں خدا کے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ	اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے ہماری
اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا	بیویوں اور اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اور ہم کو
لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان۔ ۶)	پرہیزگاروں کا امام بنا۔

اس آیت کے آخری ٹکڑے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ امامت، پیشوائی اور سرداری کی تمنا کرنا اور اس کا خواہشمند ہونا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ لیکن یہ غلط نتیجہ ہے جو اس آیت سے نکال لیا گیا ہے۔ دراصل یہ آیت جس سلسلۂ کلام میں وارد ہوئی ہے وہ اس زمانے میں نازل ہوا تھا جبکہ مکہ معظمہ میں اسلام کی دعوت ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس وقت ساری قوم انکار و مخالفت پر تلی ہوئی تھی، چند مٹھی بھر آدمی ایمان لائے تھے اور ان کا بھی یہ حال تھا کہ کسی کی بیوی کافر تھی، کسی کی اولاد ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھی، اور کسی کے باپ، بھائی اور دوسرے قریب ترین عزیز اسلام کی دشمنی میں سرگرم تھے۔ اس حالت میں اہل ایمان جو دعائیں مانگا کرتے تھے

ن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہماری بیویوں اور بچوں کو کفر و جاہلیت کی حالت سے نکال کر ایمان و تقویٰ کے زیور سے آراستہ کر دے تاکہ وہ ہمارے لئے خارِ چشم بننے کے بجائے نورِ چشم بن جائیں، اور اس قوم میں سے جن جن لوگوں کے دلوں میں بھی تقویٰ موجود ہے ان کو یہ توفیق دے کہ وہ بھی اس راہ میں ہماری پیروی کریں۔ اس سیاق میں ”امامت“ سے مراد سبقت اور پیش روی ہے۔ سابقین بالایمان لامحالہ اُن سب لوگوں کے پیش رو اور مقتدا بنے جو اُن کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہوئے۔ دعا کا حقیقی مقصود یہ نہ تھا کہ ہم امام و پیشوا بن جائیں بلکہ یہ تھا کہ ہم راہِ حق میں اکیلے نہ رہ جائیں، دوسرے متعلقین کو بھی ہماری پیروی کی توفیق نصیب ہو، ہم اس راہ کے تنہا مسافر نہ ہوں، ایک پورا قافلہ ہمارے پیچھے آئے۔

تاہم اگر پس منظر سے قطع نظر کر کے محض آیت کے الفاظ ہی تک نگاہ محدود رکھی جائے تب بھی امام المتقین بننے کی دعا کا سیدھا سادھا مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خدا ہمیں سب پرہیزگاروں سے بڑھ کر پرہیزگار بنا دے اور ہمیں اس قابل کر دے کہ پرہیزگاروں کے گروہ میں ہم سب سے پیش پیش ہوں۔ یہ مفہوم زیادہ قریب کا بھی ہے اور اسلام کی اخلاقی روح سے زیادہ مناسبت بھی رکھتا ہے۔ اسے چھوڑ کر آخر اس دعا کا یہ مطلب کیوں لیا جائے کہ ”خدایا تو ہمیں متقیوں کا حاکم بنا دے۔“

(۴) امیدواری کے جواز میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جو ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

من طلب قضاء المسلمين حتى يناله ثم غلب عدله جوره فله الجنة، ومن غلب جوره عدله فله النار۔

جس نے مسلمانوں کی حکومت میں قاضی کا عہدہ طلب کیا یہاں تک کہ اس کو پا لیا پھر اس کا عدل اس کے ظلم سے بڑھا رہا تو اس کے لئے جنت ہے، اور جس کا ظلم اس کے عدل سے بڑھ کر رہا اس کے لئے دوزخ ہے۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ عہدے کی طلب ناجائز نہیں ہے۔ لیکن اس ارشاد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا جو کچھ ہے اس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اسی سے ملتے جلتے مضمون کی ایک اور حدیث بھی اس کے ساتھ ملا لی جائے جو نسائی کے سوا تمام صحاح میں حضرت انسؓ سے منقول ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

من سأل القضاء وُكِلَ الی نفسه ومن جُبر علیه ینزل علیه ملک یسدده۔

جو شخص عہدۂ قضا خود مانگتا ہے وہ اپنے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اور جو اس پر مجبور کیا جاتا ہے اُس پر ایک فرشتہ اترتا ہے جو اسے سیدھا چلاتا ہے۔

ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے بات صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہاں جواز و عدم جواز یا کراہیت و استحباب کی بحث سرے ہی نہیں۔ دراصل جو بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ خود طلب کر کے عہدہ حاصل کرنے والا آدمی اپنے آپ کو اس خطرے میں مبتلا کر لیتا ہے کہ وہ توفیقِ الٰہی کے بغیر محض اپنے نفس کے بل بوتے پر حکومت کی بھاری ذمے داریاں سنبھالے۔ اب اگر وہ اس خطرے میں پڑ کر بھی راہِ راست پر چلتا ہے تو محض اس بنا پر وہ اجر سے محروم نہ کر دیا جائے گا کہ خدا اور رسول کے منع کرنے پر بھی وہ اس خطرے میں کود پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ ارشاد کسی طرح بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس فرمان کا ناسخ نہیں قرار دیا جا سکتا جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ "خدا کی قسم ہم اس حکومت کے کسی منصب پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے جو خود اس کا طالب ہو یا حریص ہو۔"

(۴) حضرت عمرؓ کے اس فعل سے بھی استدلال کی کوشش کی جاتی ہے کہ انھوں نے خود اپنے اعتراف کے بموجب غزوۂ خیبر میں ایک موقع پر امارت کی تمنا کی تھی۔ اس واقعے کی جو تفصیل حدیث میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ خیبر کی جنگ میں ایک قلعہ پے در پے حملوں کے باوجود فتح نہیں ہو رہا تھا۔ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ما احببت الامارة الا یومئذٍ فتساورت لها رجاء ان اُدعی لها۔ "مجھے کبھی امارت کی تمنا نہ ہوئی مگر اُس روز۔ میں اس کے لیے جھکا پڑتا تھا اس امید پر کہ میں اس کام کے لیے پکار لیا جاؤں۔" (مسلم۔ باب فضائل علیؓ)

یہ واقعہ خود اپنی شرح آپ کر رہا ہے۔ دیکھیے کہ یہاں حضرت عمرؓ امارت کی تمنا سے بیتاب ہو رہے ہیں یا ان کو بیتاب اس چیز کی تمنا کر رہی ہے کہ اللہ اور رسول کا محبوب جس شخص کو قرار دیا جانے والا ہے وہ عمرؓ بن خطاب ہو؟ تاہم اگر حضرت عمرؓ نے امارت ہی کی تمنا کی ہو تب بھی یہ بات نہ بھول جانی چاہیے کہ یہ تمنا کسی منفعت اور اقتدار کے منصب کے لیے نہ تھی بلکہ جان جوکھوں کے کام کی تھی، اور ایسے کاموں کے لیے آپ اپنے آپ کو

خود پیش کرنا نہ صرف جائز ہے، نہ صرف مستحسن ہے، بلکہ ایمان کی نشانی ہے۔ اس طرح کے مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم صحابہ کرام کے مجمع میں پکار کر فرمایا کرتے تھے "کون اس مہم کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے" اور صحابہ کرامؓ ایک دوسرے پر سبقت کر کے اپنے آپ کو پیش کرتے تھے۔

(۵) بعض لوگ سقیفۂ بنی ساعدہ کے معاملے کو بھی امیدواری کی نظیر میں پیش کرتے ہیں اور اس سے اس طرح استدلال فرماتے ہیں کہ گویا وہاں مختلف اشخاص منصبِ خلافت کے خواہشمند تھے اور ان کے درمیان انتخابی مقابلہ ہو رہا تھا۔ حالانکہ وہاں بحث اس بات پر تھی ہی نہیں کہ امیدوار اشخاص میں سے کس کو منتخب کیا جائے اور کس کو نہ کیا جائے، بلکہ اس بات پر تھی کہ خلیفہ انصار میں سے ہو یا مہاجرین قریش میں سے۔ انصار وہ دلائل دے رہے تھے جن کی بنا پر ان کے نزدیک انصاریوں کا حق مقدم تھا۔ مگر جب حضرت ابوبکرؓ نے مضبوط دلائل سے ثابت کر دیا کہ قریش خلافت کے احق ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے عرب میں کسی اور کی خلافت کامیاب نہیں ہو سکتی تو انصار نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس پورے گروہ میں صرف ایک حضرت سعد بن عبادہ ایسے شخص تھے جن کے اندر امیدواری کی بو پائی جاتی تھی، مگر سب کو معلوم ہے کہ صحابۂ کرام میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا، نہ ان کی روش کو پسند کیا اور مرتے دم تک وہ منفرد ہی رہے۔

(۶) سب سے زیادہ جس چیز کا سہارا لے کر امیدواری کے جواز پر زور دیا جاتا ہے وہ حضرت علیؓ کی امیدواریٔ خلافت ہے لیکن اول تو اس معاملے میں روایات مضطرب ہیں۔ ایک نوع کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنجناب اپنی ذات کے لئے خلافت کے مدعی نہ تھے بلکہ ان کی رائے یہ تھی کہ جب بنی ہاشم میں کوئی صالح اور اہل آدمی مل سکتا ہو تو اس کو چھوڑ کر کسی اور کو منتخب کرنا درست نہیں ہے۔ اور دوسری قسم کی روایات، جو زیادہ مشہور ہیں، یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آپ خود مدعی خلافت تھے۔ پھر جو روایات آپ کے دعوائے خلافت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں ان سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اس منصب کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کی تھی، بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس کے خواہشمند تھے، اپنے آپ کو احق سمجھتے تھے، اور اس بات پر آزردہ رہے کہ لوگوں نے آپ کے حق کو نہ پہچانا۔ پھر انہی روایات میں ہم کو یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے آخر وقت میں جب چھ آدمیوں کی شوریٰ انتخابِ خلافت کے لئے مقرر کی تو ارکانِ شوریٰ میں سے ہر ایک پر تنقید کرتے

ہوئے اس کی کمزوریاں بھی بیان کر دیں۔ منجملہ ان کے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

وما یمنعنی منک یا عثمان الا عصبیتک وحب قومک وما یمنعنی منک یا علی الا حرصک علیہا وانک احری القوم ان ولیتہا ان تقیم علی الحق المبین والصراط المستقیم۔ (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ۔ ص ۲۳)

اے عثمان! مجھے تم کو اپنا جانشین تجویز کرنے سے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ تم اپنے خاندان (بنی امیہ) کے لئے تعصب رکھتے ہو اور ان کی محبت میں گرفتار ہو۔ اور اے علی! تم کو اپنا جانشین تجویز کرنے سے کوئی چیز مجھے نہیں روکتی مگر یہ کہ تم اس منصب کے خود خواہشمند ہو ورنہ حق یہ ہے کہ اس پورے گروہ میں سب سے بڑھ کر تم ہی ایسے آدمی ہو کہ اگر منصبِ خلافت پر مقرر کئے جاؤ تو ٹھیک ٹھیک حق اور راہِ راست پر قائم رہو گے۔

آخری فیصلہ کن بات اس مسئلے میں یہ ہے کہ اگر صحابۂ کرام یا بزرگانِ سلف میں سے کسی کا عمل ایک طرف ہو اور اللہ اور اس کے رسول کے صاف صاف ارشادات دوسری طرف، تو ہمارے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ خدا اور رسول کے فرمان کو چھوڑ کر کسی بزرگ کے عمل کو اپنے لئے قانونِ زندگی قرار دیں۔ جس کا جو عمل بھی فرمانِ خدا اور رسول سے مختلف ہو وہ ایک لغزش ہے نہ کہ حجت۔ ان بزرگوں کی خوبیاں اور خدمات تو اتنی زیادہ تھیں کہ انکی لغزشیں معاف ہو جائیں گی، مگر ہم سے زیادہ بدقسمت کون ہوگا اگر ہم اپنے گناہوں کے ساتھ اگلے پچھلے بزرگوں کی لغزشیں بھی چن چن کر اپنی زندگی میں جمع کر لیں۔

(۷) ایک کمزور سی دلیل اور بھی باقی رہ گئی ہے جسے جواب دیئے بغیر چھوڑ دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی ھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ "خدایا مجھ کو ایسی حکومت دے جو میرے سوا کسی کو میسّر نہ ہو"۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت کی تمنا کرنا پیغمبروں تک کی شان سے بھی گری ہوئی چیز نہیں ہے، کجا کہ ناجائز ہو۔ لیکن سورۂ ص کا تیسرا رکوع نکال کر دیکھ لیجئے۔ وہاں سلسلۂ کلام خود بتا رہا ہے کہ حضرت سلیمان نے یہ دعا فرمانروا ہونے کے بعد کی ہے نہ کہ اس سے پہلے، اور اس کا مدعا یہ نہ تھا کہ خدایا مجھ کو بادشاہ بنا دے بلکہ یہ تھا کہ مجھے ایسی طاقت بخش جو میرے سوا کسی اور فرمانروا کو حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو دیا وہ یہ تھا کہ ان کے لئے ہوا اور شیاطین کو مسخر کر دیا۔